جہاد سے متعلق قرآنی آیات میں ناسخ و منسوخ، نہی عن المنکر کے احکام اور استشراقی نقطۂ نظر

فاطمہ نورین ۞

Abrogation in Qur'ānic Verses Regarding *Jihād* and the Idea of Forbidding Wrong: A Critique of Orientalists' Point of View

Fatima Noreen۞

ABSTRACT

Some orientalists have argued that the discussion of abrogation with reference to *jihād*-related verses in the commentaries of the Qur'ān is in fact an intellectual activity to bring about a reconciliation between conflicting views, attain imperialistic goals, and increase the morale of Muslim army against the enemies in war. The idea of forbidding wrong (*nahy 'an al-munkar*) has a direct connection with *jihād*. Hence, the orientalists have also objected that one cannot find in the Qur'ān any basis for the idea of forbidding wrong with which one can support *jihād*'s obligation. This article examines the objections of the orientalists in the light of the primary sources of Islam, i.e., the Qur'ān and *Sunnah*, and

۞ سابق لیکچرر، سینٹر فار انڈر گریجویٹ سٹڈیز، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور۔ (fatimanoreen34@yahoo.com)

۞ Former Lecturer, Centre for Undergraduate Studies, University of the Punjab, Lahore. (fatimanoreen34@yahoo.com)

concludes that they stem from sheer misunderstanding of the text of the Qur'ān.

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ناسخ ومنسوخ کے احکام اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے اللہ تعالی کی طرف سے مسلم امّہ کے لیے ایک بڑی عظیم سہولت اور نعمت عظمیٰ ہے،اور مسلم امّہ کی غرض تاسیس امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے، جس کے لیے جہاد فی سبیل اللہ لازمی ہے۔ مستشرقین جہاد سے متعلق ناسخ ومنسوخ کے قرآنی احکام کو تضاد کے خاتمے، استعماری عزائم کے حصول اور جنگی دشمنوں کے خلاف مسلم فوج کا حوصلہ بڑھانے کا ایک عالمانہ حربہ قرار دیتے ہیں۔ مستشرقین کا اعتراض ہے کہ قرآن میں نہی عن المنکر کے تصور سے متعلق ایسی کوئی بنیاد نہیں ملتی جس سے جہاد کی فرضیت کو ثابت کیا جاسکتا ہو۔اس مقالے میں مستشرقین کے ان اعتراضات کا قرآن وسنت کی روشنی میں محاکمہ کیا گیا ہے ،اور ثابت کیا گیا ہے کہ مستشرقین کے یہ اعتراضات بالکل لغو اور کج فہمی کی وجہ سے ہیں۔ناسخ ومنسوخ کے مسئلے میں ایک عظیم حکمت پوشیدہ ہے؛ کیوں کہ قرآن حکیم کے یہ احکامات اسلامی معاشرے میں تدریجاً نافذ ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلم امّہ کو امت وسط(عادل امت) قرار دیا ہے۔ دنیا میں عدل وانصاف کے قیام اور نہی عن المنکر کے لیے جہاد فی سبیل اللہ ایک لازمی امر ہے، کیوں کہ اسلامی شریعت کا فقہی اصول ہے کہ " نہی" بہ نسبت " امر" کے زیادہ زور دار ہے۔

جہاد سے متعلق قرآنی آیات میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے ریمنڈ ابراہیم (Raymond Ibrahim) لکھتا ہے کہ "جتنے بھی آسمانی صحائف ہیں ان میں تضاد موجود ہے۔ مگر قرآن واحد ایسی کتاب ہے جس کے مفسرین اس کے تضادات کو خود ساختہ اصولوں کے تحت حل کرتے ہیں۔ بہ غور مطالعہ کرنے والا کوئی بھی قاری ان تضادات سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔[1] وہ مزید لکھتا ہے:

> To get out of this quandary, the commentators developed the doctrine of abrogation, which essentially maintains that verses revealed later in Muhammad's career take precedence over earlier ones whenever there is a discrepancy.[2]

1– Raymond Ibrahim "Islamic Jihad and the Doctrine of Abrogation", *Front Page Mag*. accessed March 5, 2014, http://www.frontpagemag.com/fpm/220358/islamic-jihad-and-doctrine-abrogation-raymond-ibrahim

2– Ibid.

(اس تذبذب سے نجات حاصل کرنے کے لیے مفسرین نے ناسخ و منسوخ کے اصول ایجاد کیے، جب بھی احکام میں تضاد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس اصول کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ محمد کی حیات میں بعد میں نازل ہونے والی آیات ابتدائی آیات پر مقدم ہیں۔)

جبرئیل میرانشی (Gabriele Marranci) لکھتا ہے کہ ناسخ و منسوخ کے اسلامی اصولوں نے سلطنت عثمانیہ کے "استعماری عزائم" کا حصول ممکن بنا دیا۔

> A newly formed Islamic state, which economically and politically was increasingly mimicking the Byzantine Empire... The practice of al-nasikh-ua-al-mansukh allowed the newborn Muslim states, and then the Ottoman Empire, to achieve their imperialistic goals without abjuring their Islamic commitments ...Yet to transform the concept of jihad as a productive expansionist tool, another element was needed, a new geopolitical vision of the world. [3]

(نئی قائم شدہ اسلامی ریاست جو اقتصادی اور سیاسی طور پر بازنطینی سلطنت کی نقال تھی۔۔۔ان نئی قائم شدہ ریاستوں میں اور اس کے بعد سلطنت عثمانیہ میں ناسخ و منسوخ کے اصول نے اسلامی اصولوں کو نقصان پہنچائے بغیر استعماری عزائم کا حصول ممکن بنایا۔۔۔ نیز جہاد کے نظریے کو بطور استعماری حربہ متعارف کروانے کے لیے ایک اور عنصر کی ضرورت تھی، یعنی دنیا کا ایک نیا جغرافیائی سیاست کا تصور۔)

ڈیوڈ کک (David Cook) آیت ﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ...﴾[۴] کے بارے میں لکھتا ہے:

> This verse, together with the salvific covenant, is one of the most important verses on the subject of jihad. It is usually called the "Verse of the Sword" and is said to abrogate all other verses in the Quran on the subject of war and peace.[5]

(یہ آیت نجات کے وعدے کے ساتھ جہاد کے موضوع پر ایک نہایت اہم آیت ہے۔ اسے عموماً آیت السیف کہا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ آیت جنگ اور امن کے موضوع پر نازل ہونے والی دیگر آیات کو منسوخ کرتی ہے۔)

مائیکل بونر (Michael Bonner) قرآن کریم کے ناسخ و منسوخ کے اصول کو قرآنی تضادات دور کرنے کا عالمانہ "حربہ" قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> Since the Quran is the primary source for knowledge of the divine law, or

---

3– Gabriele Marranci, *Jihad Beyond Islam* (Oxford, New York: Berg, 2006), 24-25.

۴– القرآن، ۹: ۵۔

5– David Cook, *Understanding Jihad* (Berkeley: University of California Press, 2005), 10.

> *Shari'a*, jurists and lawyers have always had to confront the apparent contradictions within it. One of their intellectual tools for this task has been the doctrine of obrogation, for which they have relied, in turn, on a well-developed chronology of the available narratives... Abrogation was only one of several intellectual tools for dealing with this problem.[6]

(جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ قرآن (مجید) آسمانی علم اور شریعت کا بنیادی مصدر ہے۔ فقہا اور قانون دانوں کو ہمیشہ قرآن کے ظاہری تضادات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے کا ایک عالمانہ حربہ اصول تنسیخ ہے، جس کے لیے وہ دست یاب روایتوں کی ایک بالیدہ منظم تاریخی ترتیب پر انصار کرتے ہیں۔۔۔ ان تضادات کو دور کرنے کے لیے تنسیخ محض ایک عالمانہ حربہ ہے۔)

رچرڈ بونی (Richard Bonney) "نسخ" کو جنگی دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک "حربہ" قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> Under such political circumstances, it is not difficult to understand how abrogation was utilized as a means by which to strengthen the morale of the Muslims in facing their enemies. [7]

(ان سیاسی حالات میں اس بات کو سمجھنا چنداں مشکل نہیں کہ کیسے نسخ کو ایک ایسے حربے / آلے کے طور پر استعمال کیا گیا جسے دشمنوں کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کا حوصلہ مضبوط کیا جاسکے۔)

اسی طرح ڈیوڈ بکائے لکھتا ہے:

> Muslim Scholars such as Ibn Salama (d.1020) agree that Koran 9:5, known as Aayat-ul-sayf or the sword verse, has abrogated some 124 of the more peaceful Meccan verses, including every other verse in the Koran, which commands or implies anything less than a total offensive against the non-believers.[8]

(مسلم علما جیسا کہ ابن سلمہ (متوفی ۱۰۲۰) متفق ہیں کہ قرآن کریم کی ۹: ۵ آیت جو آیت السیف کے نام سے مشہور ہے اس نے ۱۲۴ پر امن مکی آیات اور اس کے ساتھ دیگر آیات جن میں غیر مسلموں کے خلاف توہین آمیز اقدام سے منع کیا گیا ہے منسوخ کر دی ہیں۔)

6– Michael Bonner, *Jihad in Islamic History: Doctrines and Practice* (Princeton and Oxford: Princeton University Press, 2006), 24

7– Richard Bonney, *Jihad: From Quran to bin Laden* (New York: Palgrave Macmillan, 2004), 25.

8– David Bukay, "Peace or Jihad? Abrogation in Islam," *Middle East Quarterly*, 14, no.4 (Fall 2007), https://www.meforum.org/1754/peace-or-jihad-abrogation-in-Islam

قرآن حکیم میں نسخ کی حقیقت اور اس کی حکمت

قرآن کریم میں نسخ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾ [۹] (جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں۔) [۱۰]

نسخ کے لغوی معنی

لفظ نسخ کثیر الجہت معنی رکھتا ہے۔ علامہ ابن منظور افریقی (متوفی ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

نَسْخُ الشَّیْ یَنْسَخُه نَسْخًا وَانْسَخَه وَاِسْتَنْسَخَه اِکْتَتَبَهُ عَنْ مَعَارَضِه اَلنَّسْخُ اِکْتِتَابُکَ کِتَابًا عَنْ کِتَابٍ حَرْفاً حَرْفاً وَالْاَصْلُ نُسْخَهٌ وَالْمَکْتُوْبُ نُسْخَةٌ لِاَنَّهٗ قَامَ مَقَامَهٗ وَالْکَاتِبُ نَاسِخٌ وَ مُنْتَسِخٌ. [۱۱]

(نَسَخَ، اِنْتَسَخَ اور اِستَنسَخَ کے معنی ہیں اس نے سامنے رکھی ہوئی کتاب سے لکھ لیا اور نقل اتار لی۔ نسخ کے معنٰی ہیں ایک کتاب سے حرف بہ حرف دوسری کتاب لکھنا اصل کتاب کو نسخہ کہتے ہیں اور اس سے نقل کی گئی دوسری کتاب کو بھی نسخہ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ اس کی قائم مقام ہوتی ہے اور لکھنے والے کو ناسخ اور منتسخ کہا جاتا ہے۔)

نسخ فعل ثلاثی مجرد کا مصدر ہے جس کے معنی لکھنا اور انتساخ باب افتعال کا مصدر ہے جس کے معنٰی بڑی کوشش اور محنت سے لکھنا اور استنسخ باب استفعال سے صیغہ واحد مذکر ہے جس کے معنی لکھوایا اس نے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴾ [۱۲] (اور (تورات کی) وہ تختیاں جن کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے۔) [۱۳]

اس آیت میں نسخہ لفظ نسخ سے ہے لکھی ہوئی باتیں یعنی تورات کے مضامین: ﴿هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [۱۴] (یہ ہماری کتاب تم پر سچ بول رہی ہے، ہم لکھوایا کرتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے۔)

۹- القرآن، ۲: ۱۰۶۔

۱۰- قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر (مدینہ: شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، س ن)، ۴۳۔

۱۱- ابن منظور افریقی، **لسان العرب**، مادہ نسخ (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، س ن)، ۳: ۶۱۔

۱۲- القرآن، ۷: ۱۵۴۔

۱۳- سید ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۰ء) ۲: ۸۲۔

۱۴- القرآن، ۴۵: ۲۹۔

یعنی ہمارے حکم پر فرشتے تمھارے اعمال لکھتے تھے یہ اعمال نامہ جو آج تمھارے سامنے سچائی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تمھارے کارنامے بیان کر رہا ہے۔

قرآن کریم میں بھی نسخ کا لفظ مٹانے اور ہٹانے کے معنوں میں آیا ہے:﴿ **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ**﴾[۱۵] (اللہ تعالیٰ ان شبہات کو مٹا دیتا ہے جو شیطان نے ڈالے ہوتے ہیں۔)

اس آیت میں نسخ لفظ یِزیْلُ اور یَمْحُو کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ شیطانی شبہات کو دلیل قاطعہ کے ذریعے زائل کر دیتا ہے۔

اس ضمن میں علامہ بدرالدین زرکشی دلیل پیش کرتے ہیں کہ جیسے عربی میں بولتے ہیں"نَسَخْتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ." (آفتاب نے سائے کو دور کر دیا) نیز"نَسَخَ الشَّيْبُ الشَّبَابَ" (بڑھاپے نے جوانی کو مٹا دیا۔)[۱۶]

نسخ کے معنی و مفہوم میں اہل علم میں بڑا جدل و نزاع پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر صبحی صالح کی تحقیق کے مطابق اس لفظ کے لغوی و اصطلاحی مفہوم میں جو ربط و تعلق ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں یہ لفظ استعمال ہوا ہے حقیقی معنوں میں ذکر ہوا ہے۔[۱۷]

اور نسخ کے تیسرے معنی کے ثبوت میں علامہ ابن منظور الافریقی (متوفی ۲۳۱ھ) لکھتے ہیں:"اَلنَّسْخُ تَبْدِيْلُ مِنَ الشَّيءِ وَهُوَ غَيْرُهُ وَنَسْخُ الْاٰيَةِ بْالاٰيَةِ إزَالَةٌ بمثل حكمها."[۱۸]

نسخ کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل دینا جو پہلی چیز سے مختلف ہو، ایک آیت کو دوسری آیت سے منسوخ کرنے کے معنی ہیں اس کو ہٹا کر اس جیسا دوسرا حکم لے آنا۔۔۔سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۶ میں اسی معنٰی میں استعمال ہوئی ہے۔

﴿**مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ**﴾

۱۵- القرآن، ۲۲: ۵۲۔

۱۶- ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ زرکشی، **البرهان فی علوم القر آن**، تحقیق، مصطفی عبدالقادر (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۲۰۱۱ء)، ۲: ۲۹۔

۱۷- صبحی صالح، **مباحث في علوم القرآن** (بیروت: المطبعة العربية، ۱۹۸۶ء)، ۳۶۸- ۳۶۹۔

۱۸- **لسان العرب**، ۳: ۶۱۔

درج بالا بحث سے معلوم ہوا کہ لفظ "نسخ" تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

کتابت و نقل یعنی لکھنا اور نقل اتارنا

ازالہ و ابطال یعنی ہٹانا اور مٹانا

تغیر و تبدّل یعنی تبدیل کرنا

نسخ کے شرعی معنی

مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں شرعی معنی وہ ہوتے ہیں جو شارع نے بیان کیے ہوں اور شارع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے اصول فقہ اور فقہ کی کتابوں سے نسخ کی اصطلاحی تعریف معلوم کرنے سے پہلے خود شارع کی کتاب سے شرعی معنیٰ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن حکیم سے جو نسخ کی تعریف معلوم ہوتی ہے اس میں کوئی ابہام اور الجھاؤ نہیں بلکہ بات بالکل واضح ہے۔ نسخ کے شرعی معنیٰ ایک حکم شرعی کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا حکم شرعی نافذ کرنا یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔ نسخ کے شرعی معنیٰ ایک حکم شرعی کو دوسرے حکم شرعی میں تبدیل کرنا۔[۱۹]

پہلی تعریف سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۶ سے ماخوذ ہے۔ اور دوسرا معنی و مفہوم ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ﴾[۲۰] (اور جب ہم بدل دیتے ہیں ایک آیت کی دوسری آیت سے) سے اس آیت مبارکہ سے نسخ کی یہی لغوی تعریف سامنے آتی ہے۔

نسخ کی اصطلاحی تعریف

ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہی کہ نسخ کی صحیح ترین اصطلاحی تعریف جو لغتِ عرب اور شرعی نصوص دونوں کے مطابق ہے حسب ذیل ہے: "کسی شرعی دلیل کی بنا پر کسی دینی حکم کے اُٹھ جانے، باقی نہ رہنے کو نسخ کہتے ہیں۔"[۲۱]

اسی طرح شرعی نصوص کے پیش نظر یہ بالکل جائز ہے کہ قوی اور صریح دلائل کے باعث خاص حالات میں کسی مصلحت و حکمت کے تحت جن سے اہل علم ہی واقف ہوتے ہیں کوئی شرعی حکم اُٹھ جائے اور باقی نہ رہے۔

۱۹۔ گوہر رحمٰن، **علوم القرآن** (مردان: مکتبہ تفہیم القرآن، ۲۰۰۲ء)، ۱: ۳۵۴۔ ۳۵۵۔

۲۰۔ القرآن، ۱۶: ۱۰۱۔

۲۱۔ صالح، **علوم القرآن**، ۳۶۹۔

مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

قرآن کریم کے اس حکمت سے بھرپور اصول کے بارے میں مستشرقین کا یہ اعتراض کہ "یہ قرآنی آیات کے تضاد کو ختم کرنے کے لیے مسلمان مفسرین، فقہا نے ناسخ و منسوخ کا اصول ایجاد کیا ہے" "اور یہ آیات جہاد کے تضاد کو ختم کرنے کا ایک عالمانہ حربہ ہے" یا یہ " استعماری عزائم کے حصول کا ذریعہ ہے۔" کم زور اعتراض ہے۔ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے اور اس ضمن میں قرآن کا دعویٰ هُدًى لِّلنَّاسِ[۲۲] یہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت ہے، اور ہدایت کے یہ اصول انسانیت کی آسانی و بھلائی کے لیے تدریجاً نازل ہوئے ہیں جس میں ایک عظیم حکمت پوشیدہ ہے۔

مستشرقین کا یہ کہنا کہ قرآنی آیات کے تضاد کو ختم کرنے کے لیے "مفسرین اور فقہا نے ناسخ و منسوخ کے اصول ایجاد کیے ہیں" انتہائی ظلم کی بات ہے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ مفسرین و فقہا کا ایسا کرنا تو دور کی بات ہے ایسا تو صاحب کتاب یعنی رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں بھی نہیں تھا۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ﴾[۲۳] (اس کا نزول تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے اور اگر یہ (نبی ﷺ) خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے پھر اس کی رگ حیات کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) روکنے والا نہ ہوتا۔)

ناسخ و منسوخ کا اصول اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی اور سہولت کے لیے نازل کیا ہے۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ اللہ کا دین "اسلام" سیّدنا آدم علیہ السلام سے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک ایک ہی ہے جب کہ شریعتوں میں فرق رہا ہے اس فرق کی اصل وجہ یہ ہے کہ نوع انسانی مختلف اعتبارات سے ارتقا کے مراحل طے کر رہی تھی، ذہنی شعور کی پختگی اور تمدنی ارتقا کا عمل مسلسل جاری تھا، حالات کی مناسبت سے ان کو اللہ تعالیٰ نے تعلیمات سے نوازا۔ ان تعلیمات میں سے کچھ حصے ابدی تھے وہ ہمیشہ رہیں گے اور کچھ حصے حالات کی مناسبت سے تھے چناں چہ اگلے رسول کی آمد پر کچھ احکام میں تغیر و تبدل ہو جاتا۔ کچھ پرانی چیزیں ساقط ہو جاتیں اور کچھ نئے احکام آجاتے یہ معاملہ نسخ کہلاتا ہے۔ پھر ناسخ و منسوخ کے مسئلے میں جو حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں شریعت کے احکامات تدریجاً مکمل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اس کے بارے میں پہلا حکم دیا گیا کہ

۲۲- القرآن، ۲: ۱۸۵۔

۲۳- القرآن، ۶۹: ۴۴- ۴۷۔

اس میں گناہ کا پہلو زیادہ ہے اگرچہ کچھ فائدے بھی ہیں۔[۲۴] پھر حکم نازل ہوا کہ شراب کے نشے میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ[۲۵] پھر آخری حکم میں شیطانی عمل قرار دے کر شراب حرام کر دی گئی۔[۲۶] اگر یہ احکام تدریجاً نافذ نہ ہوتے تو لوگوں کے لیے اس کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا، جیسا کہ ۱۹۳۳ میں امریکی حکومت نے انتہائی تگ دو اور بڑے وسیع پیمانے پر نشر واشاعت کے بعد، جس میں شراب کے نقصانات اور خرابیاں درج تھیں، شراب کی ممانعت کا آرڈیننس جاری کیا۔ اس سب کے باوجود شراب کی ممانعت کا آرڈیننس واپس لینا پڑا تھا۔[۲۷]

جہاں تک آیات جہاد، خصوصاً آیت السیف کا ۱۱۳۔۱۱۴۔۱۲۴۔ ۱۴۰ صلح و امن والی آیات کے ناسخ ہونے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں مستشرقین نے بڑی ٹھوکر کھائی ہے یا پھر وہ اپنی پہلے سے طے شدہ رائے کو ثابت کرنے کے لیے سیاق و سباق سے ہٹ کر عبارت کا وہی حصہ نقل کرتے ہیں جو ان کی رائے کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔

نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا فرق

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ناسخ و منسوخ کا علم فن تفسیر میں ایک مشکل مسئلہ ہے جس کے بارے میں طویل مباحث اور اشکالات کا بڑا سبب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحوں کا باہمی اختلاف ہے۔"[۲۸]

حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ۔"نسخ" کے استعمال میں علمائے متقدمین اور متاخرین کے درمیان اصطلاح کا فرق ہے، جسے سمجھنا ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "متقدمین کی اصطلاح میں "نسخ" ایک وسیع المفہوم لفظ تھا اور اس میں وہ بہت ساری صورتیں شامل تھیں جو بعد کے علما کے نزدیک نسخ نہیں کہلاتیں، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾[۲۹] (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔) اس آیہ مبارکہ میں لفظ مشرک عورتوں سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی مشرک

۲۴۔ القرآن، ۲: ۲۱۹ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾

۲۵۔ القرآن، ۴: ۴۳ ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾

۲۶۔ القرآن، ۵: ۹۰ ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾

27– Lisa McGirr, *The War on Alcohol: Prohibition and the Rise of American State* (New York: W.W. Norton Company, 2015), 35.

۲۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، **الفوز الكبير في أصول التفسير** (دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۱۰ھ)، ۳۹۔

۲۹۔ القرآن، ۲: ۲۲۱۔

عورتوں سے نکاح حرام ہے، خواہ وہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب، لیکن دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾[۳۰] (تمھارے لیے حلال ہیں اہل کتاب کی باعفت عورتیں) اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں مشرک عورتوں سے مراد وہ مشرک عورتیں تھیں جو اہل کتاب سے نہ ہوں، لہٰذا اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے اس عموم کی تخصیص کر دی کہ اس سے مراد وہ مخصوص غیر اہل کتاب مشرک عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ متقدمین اس کو بھی نسخ کہتے ہیں، پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری آیت کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک نسخ کا مفہوم اتنا وسیع نہیں، وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم بالکل ختم ہو گیا ہو۔ محض عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید کو وہ نسخ نہیں کہتے۔ چناں چہ مذکورہ بالا مثال میں متاخرین کے نزدیک اس میں نسخ نہیں ہوا، کیوں کہ اصل حکم مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت بدستور باقی ہے۔ دوسری آیت نے یہ واضح کر دیا کہ بیان کردہ آیت کا مفہوم اتنا عام نہیں تھا کہ اس میں اہل کتاب کی عورتیں بھی داخل ہوں، وہ حکم صرف غیر اہل کتاب کی خواتین کے ساتھ مخصوص ہے۔[۳۱]

توضیح و تبیین پر نسخ کا اطلاق

امام ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں۔ متقدمین کے مطابق آیہ مبارکہ ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾[۳۲] (اے نبی آپ کہہ دیجیے یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں) منسوخ ہے اور اس کا ناسخ اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ ہے۔"[۳۳] (اور تمھیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصّہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔)

اصولیین کے نزدیک درج بالا آیات میں ناسخ و منسوخ کے احکام نہیں ہیں بلکہ آیت نمبر ۱ میں لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے الفاظ میں مالِ انفال کی جو بات مبہم تھی، آیہ نمبر ۴۱ میں اس کی توضیح و تبیین کر دی گئی ہے۔[۳۴] امام

۳۰۔ القرآن، ۵: ۵۔

۳۱۔ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، **الإتقان في علوم القرآن** (قاہرہ: الهيئة المصرية العامة للكتاب، ۱۹۷۴ء)، ۳: ۷۲۔

۳۲۔ القرآن، ۸: ۱۔

۳۳۔ القرآن، ۸: ۴۱۔

۳۴۔ ابراہیم بن محمد الشاطبی، **الموافقات** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۷۵ء)، ۳: ۳۴۸۔

شاطبی متقدمین اور اصولیین کی اصطلاحات کے بارے میں لکھتے ہیں: متقدمین کے نزدیک "نسخ" کا اطلاق اصولیین کے بیان کردہ مفہوم کے مقابلے میں وسیع تر معنوں میں ہوتا ہے متقدمین مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص پر بھی نسخ کا اطلاق کرتے ہیں۔۔۔ اسی طرح وہ مجمل و مبہم کی تبیین پر بھی نسخ کا اطلاق کرتے ہیں۔[۳۵] لیکن جن لوگوں کو متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا فرق معلوم ہو ان کو کوئی اشکال نہیں پیش آئے گا اور وہ فوراً سمجھ لیں گے کہ اس جگہ نسخ سے مراد تخصیص ہے، ناسخ سے مراد مخصص ہے اور منسوخ سے مراد ہے مخصوص عنہ البعض۔ چوں کہ عفو و درگذر، رواداری، نرمی اور فراخ دلی سے متعلق آیات کے عموم سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شاید اسلام میں جنگ و قتال کی ہر شکل ہر حالت میں ممنوع ہے۔ لہٰذا قتال فی سبیل اللہ کی آیات نے اس عموم میں تخصیص کر کے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا اور وضاحت کر دی کہ اسلام کو غالب کرنے اور اسلامی حکومت قائم کرنے، عدل و انصاف کے نظام کو نافذ کرنے اور ظلم و فساد کے نظام کو مٹانے کے لیے شرعی آداب و شرائط کے مطابق جہاد و قتال ایک دینی فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا اور امن و صلح اور درگزر والی آیات جیسے: **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ**؛[۳۶] **فَاعْفُ عَنْهُمْ**؛[۳۷] **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ**؛[۳۸] **فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ**[۳۹] اس جیسی دوسری آیات تو منسوخ نہیں ہیں بلکہ دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تفہیم کے ساتھ مخصوص ہیں اور سلف نے اسی تخصیص کو نسخ کا نام دیا ہے ورنہ متاخرین کی اصطلاح کے مطابق یہ آیات محکم ہیں، منسوخ نہیں ہیں۔[۴۰]

علّامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سلف صالحین کی آرا سے یہ رائے اخذ کرتے ہیں کہ امن و صلح اور درگذر والی آیات محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں۔

امام بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قائلین نسخ نے کثرت ناسخ و منسوخ کے اظہار و بیاں میں بڑی سہل انگاری سے کام لیا ہے۔۔۔ چناں چہ جس بات کا حکم کسی سبب کی بنیاد پر دیا گیا ہو، پھر وہ سبب باقی نہ رہے تو وہ

۳۵۔ نفس مصدر، ۳: ۳۴۴۔

۳۶۔ القرآن، ۲: ۲۵۶۔

۳۷۔ القرآن، ۵: ۱۳۔

۳۸۔ القرآن، ۴: ۶۳۔

۳۹۔ القرآن، ۴۶: ۳۵۔

۴۰۔ ابن قیم، **إعلام الموقعين عن رب العلمين** (بیروت: مکتبۃ المعارف، ۱۹۷۷ء)، ۱: ۳۵۔

اس کو بھی منسوخ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً جب اہل اسلام کم زور اور قلیل التعداد تھے، اس وقت ﴿كُفُّوٓا اَيْدِيَكُمْ﴾(۴۱) صبر کا حکم تھا، پھر اس آیۃ کو آیۃ السیف ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾(۴۲) (حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو) کے حکم سے منسوخ کر دیا، حالاں کہ اس کو نسخ نہیں بلکہ انساء یعنی تأخیر البیان إلی وقت الحاجة کہنا چاہیے (کسی تشریح و توضیح کو وقت ضرورت تک ملتوی کر دینا) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَو نُنسها" (یا ہم اس کو ملتوی کر دیں)(۴۳) "گویا لڑائی کو اہل اسلام کے طاقت ور ہونے تک ملتوی کیا گیا۔ اور کم زوری کی حالت میں صبر کی تلقین کی گئی ہے۔(۴۴)

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ اکثر مفسرین نے جو تخفیف (عفو درگزر) پر مبنی آیات کے حکم کو آیت السیف کے ساتھ منسوخ قرار دیا ہے، ضعیف اور نا قابل اعتماد ہے۔ ایسی آیات منسوخ نہیں بلکہ منساء ہیں۔ جب کسی حکم کی تعمیل کسی خاص وقت کسی خاص علت کی بنا پر ضروری ہو، اور پھر وہ علت کسی خاص حکم کی طرف منتقل ہو جائے تو پہلا حکم بدل جائے گا اس کو نسخ نہیں کہتے۔ نسخ کے معنی ہیں زائل کرنا، دور کر دینا، تا کہ کسی وقت بھی اس کی پیروی جائز نہ ہو۔(۴۵)

آیۃ السیف کا پس منظر

آیت السیف کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ مشرکین عرب کے لیے خاص ہے، اس کا اعتراف مستشرقین بھی کرتے ہیں جیسا کہ ڈیوڈ کک لکھتا ہے:

> While its immediate subject is the pagan Arabs— a narrow application sustained by early commentators.[46]
>
> (ابتدائی دور کے مفسرین کے نزدیک اس آیہ مبارکہ کا حکم مشرکین عرب کے لیے خاص ہے۔)

۴۱- القرآن، ۴: ۷۷۔

۴۲- القرآن، ۹: ۵۔

۴۳- الزرکشی، **البرهان في علوم القرآن**، ۲: ۴۳۔

۴۴- السیوطی، **الاتقان في علوم القرآن**، ۲: ۳۵

۴۵- الزرکشی، مصدر سابق، ۲: ۴۲؛ السیوطی، مرجع سابق، ۲: ۳۵۔

۴۶- Cook, *Understanding Jihad,* 10.

آیۃ السیف کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پوری دنیا کے تمام انسانوں کے لیے قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور آپ ﷺ خاص اپنی قوم بنی اسماعیل کی طرف بھی رسول بن کر مبعوث ہوئے، اس لحاظ سے آپ ﷺ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا، ایک بعثت عمومی اور دوسری بعثت خصوصی ۔ آپ ﷺ کی بعثتِ خصوصی مشرکین عرب یعنی بنو اسماعیل کی طرف تھی آپ ﷺ نے ان لوگوں کو خود ان کی زبان میں اللہ کا پیغام پہنچا کر ان پر آخری حد تک حجت تمام کر دی۔ تو اس ضمن میں پھر مشرکین عرب پر اللہ کے قدیم قانون کا نفاذ بھی عمل میں آیا، جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے اور وہ رسول اپنی دعوت کے سلسلے میں اس قوم پر حجت تمام کر دے، پھر اگر وہ قوم اپنے رسول کی دعوت کو رد کر دے تو اس پر عذاب استیصال مسلط کر دیا جاتا ہے، یہ آیت السیف بھی دراصل اس عذاب استیصال کے قائم مقام ہے جو قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ، قوم شعیبؑ، قوم لوطؑ اور آل فرعون پر آیا تھا۔[۴۷] یہ اللہ تعالیٰ کا قانون اٹل ہے۔[۴۸]

مستشرقین سنت اللہ سے نابلد ہیں اور ان کو یہ حقائق بھی نظر نہیں آتے بلکہ وہ مطالعہ کے دوران اپنی پہلے سے طے شدہ رائے کے موافق سیاق وسباق سے ہٹ کر عبارت کو نقل کرتے ہوئے تحقیق کے اصولوں سے روگردانی کرتے ہیں۔ رچرڈ بونی نے اپنی کتاب *Jihad: From Quran to bin Laden* کے صفحہ نمبر ۲۵ پر آیت السیف سے امن والی ۱۴۰ منسوخ آیات کے بارے میں مصطفی زید[۴۹] کا نام لیا ہے، مگر حوالہ جات میں ان کی کوئی کتاب مذکور نہیں۔

۴۷۔ اسرار احمد، **بیان القرآن** (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، ۲۰۱۴ء)، ۳: ۲۵۹۔

۴۸۔ سورہ الاعراف میں آیت ۵۹ سے لے کر ۱۲۲ تک ان قوموں کا مفصل ذکر ہے جنھوں نے مرسلین کی دعوت کو رد کر دیا تو وہ قومیں اللہ تعالیٰ کے عذاب استیصال سے ہلاک کر دی گئیں۔

۴۹۔ مصطفیٰ زید قاہرہ یونی ورسٹی کے شعبہ شریعت اسلامی کے سربراہ تھے۔ انھوں نے النسخ فی القرآن کے نام سے ۸۵۰ بڑے صفحات پر مشتمل ایک جامع کتاب لکھی، جو دارالفکر، بیروت نے ۱۹۷۱ء میں دو جلدوں میں شائع کی۔ اس کے باب اول کی فصل اول لفظ نسخ کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے لیے مخصوص ہے، جس میں صحابہ و تابعین اور اصولیین کی اصطلاحات کا فرق و امتیاز تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور فصل ثانی میں نسخ اور تخصیص و تقیید، تبیین و تشریح کے درمیان فرق ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ حقیقی معنوں میں نسخ شرعی حکم کو شرعی دلیل کے ذریعے تبدیل کرنے کا نام ہے اور واضح کیا ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے جو متقدمین کے حوالے سے آیت السیف کو ۱۴۰ امن، رواداری اور عفوودرگزر روالی آیات کا ناسخ قرار دیا ہے، ان کا بڑا حصہ تخصیص و تقیید پر شامل ہے یا مجمل و مبہم کی تبیین و تشریح میں داخل ہے۔ لہٰذا عفوودرگزر، امن، رواداری اور حسن سلوک والی آیات حسن معاشرت میں اپنی جگہ قائم ہیں۔

اس کے حوالہ جات میں بصری مکتبہ فکر کے ایک مفسر ابو قتادہ کا ذکر ہے جو کہ ابوالخطاب کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے مطابق آیت السیف سے قرآن کی ۱۱۳ آیات منسوخ ہیں۔ پھر ہبۃ اللہ کے مطابق ۱۲۴ آیات منسوخ ہیں۔ یہ اقوال کن کتب سے نقل کیے جارہے ہیں، اس کا کوئی تذکرہ نہیں اور یہی طریقہ کار ڈیوڈ بکائے نے اختیار کیا ہے کہ وہ ابن سلمہ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ آیت السیف سے امن والی ۱۲۴ آیات منسوخ ہیں، مگر حوالہ جات میں ابن سلمہ کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ مستشرقین کی کتب کے حوالہ جات درج ہیں۔ قرآن کریم کے ناسخ و منسوخ کے حوالے سے ان مستشرقین کی کتب کی کیا حیثیت ہے؟ مستشرقین اس طرح کے ہتھکنڈے اختیار کرکے تحقیقی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے علمی بد دیانتی اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، جب کہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کی تحقیق غیر جانب دارانہ ہے۔

قرآن کریم میں تصور جہاد برائے نہی عن المنکر اور استشراقی فکر

قرآنی آیات اور حدیث نبوی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور مسلم امّہ کی غرض تاسیس امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ اسی کے لیے آں حضور اور صحابہ کرامؓ نے ساری زندگی جہاد کیا، دور رسالت سے لے کر اب تک مختلف طریقوں سے جہاد فی سبیل اللہ جاری ہے۔ لیکن اس کے برعکس رچرڈ بونی لکھتا ہے:

> There is, need less to say, no Quranic basis for an extension of the idea of 'forbidding wrong' to the duty of jihad, a development for which Ibn Taymiyah was responsible and which has been taken further by those who claim to be his followers.[50]

(قرآن (کریم) میں نہی عن المنکر کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کرنے کا کوئی حکم نہیں ملتا، اس تصور کو پھیلانے کی ذمے داری ابن تیمیہ کے سر ہے۔ اور بعد ازاں اس تصور کو ان لوگوں نے اپنا لیا جو خود کو ابن تیمیہ کا پیروکار کہلاتے ہیں۔)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلم امّہ کو "خیر امت"[۵۱] اور "امت وسط"[۵۲] قرار دیا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ذات کی بھلائی کے لیے نہیں پیدا کیے گئے بلکہ ان کا مقصد وجود ہی غلبۂ دین حق ہے اور یہی تمام انسانیت کی خدمت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی غرض تاسیس اور انسانیت کی

50– Bonney, *Jihad*, 48.

۵۱– القرآن، ۳: ۱۱۰۔

۵۲– القرآن، ۲: ۱۴۳۔

اصل خدمت کے بیان کے لیے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں:

۱- شہادت علی الناس

۲- امر بالمعروف و نہی عن المنکر

شہادت علی الناس کے ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾[۵۳] (اوراسی طرح ہم نے تمھیں ایک عادل امت (بہترین امت) بنایا تاکہ تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر اور رسول گواہ ہو جائیں تم پر۔)

یہی مضمون سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے جہاں مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ﴿وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾[۵۴] (اور تم جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمھیں منتخب کر لیا ہے) یہ انتخاب کیسے ہوا؟ ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾[۵۵] (تاکہ رسول گواہ بن جائیں تم پر اور تم گواہ بن جاؤ نوع انسانی پر۔)

اس دنیا میں کسی گروہ یا امت کا حکم الٰہی سے اس منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت امامت و پیش وائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے۔ یہ بہت بڑی ذمے داری ہے اور اس کے معنی و مفہوم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

> آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا، اس وقت رسول ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے گواہی دے گا کہ فکر صالح، عمل صالح اور نظام عدل کی جو تعلیم اللہ تعالیٰ نے اسے دی تھی وہ اس نے بے کم و کاست پوری کی پوری تم تک پہنچا دی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا۔ اس کے بعد رسول کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام لوگوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہو گا اور یہ شہادت دینی پڑے گی کہ رسول ﷺ نے جو پیغام تمھیں پہنچایا تھا وہ تم نے (لوگوں تک) انھیں پہنچانے میں اور جو کچھ رسول ﷺ نے (عمل کر کے) تمھیں دکھایا تھا وہ تم نے انھیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اسی طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت امامت و پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، اگر ہم خدا کی عدالت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکے کہ (اے اللہ) ہم نے تیری ہدایت جو تیرے رسول ﷺ کے ذریعے سے ہمیں پہنچی تھی، تیرے بندوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، (اگر یہ گواہی ہم نہ دے

۵۳- مصدر سابق۔

۵۴- القرآن، ۲۲: ۷۸۔

۵۵- مصدر سابق۔

سکے) تو ہم بری طرح پکڑے جائیں گے۔۔۔ ہم سے پوچھا جائے گا کہ دنیا میں معصیت، ظلم اور گم راہی کا یہ طوفان برپا تھا تو تم کہاں مر گئے تھے۔[۵۶]

اس منصب کی ادائی اور دین حق اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے، ان کو نیکی کی تلقین بھلائی کی ترغیب اوران کو معصیت، ظلم اور گم راہی سے روکنا مسلم امّہ کے لیے لازمی امر ہے، اسی کا نام امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور یہ قرآن کریم میں مسلم امہ کی غرض تاسیس کے لیے دوسری آسان ترین اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ارشاد باری تعالٰی ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[۵۷] (تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی ساری قومیں اپنے لیے زندہ رہتی ہیں، اپنی ترقی کے لیے جدوجہد کرتی ہیں، اپنی عظمت و سربلندی اوراپنے لیے قوت وسطوت حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہیں، لیکن اے مسلمانو! تمھیں دنیاوالوں کی بھلائی کے لیے جدوجہد کرنی ہے، انھیں برائی سے روکنا ہے اور نیکی کی تلقین کرنی ہے، تمھیں تو دنیاوالوں کی بھلائی کے لیے زندہ رہنا ہے۔ قرآن کریم کا ایک اہم اسلوب ہے کہ اس میں اہم مضمون کم از کم دو مرتبہ ضرور آتا ہے، چناں چہ اسی سورہ میں یہ مضمون دوباراس انداز سے آیا ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[۵۸] (اور تم میں ایک امت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔)

درج بالا آیات مبارکہ میں مسلم امہ کے فرض منصبی کا بیان ہے، نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا ہے۔ معروف وہ فعل ہے جسے فطرتِ سلیم پر مبنی انسان کا دل دیکھ کر گواہی دے کہ واقعی یہ نیکی ہے، ایمان داری، سچائی، پرہیز گاری، فرض شناسی، ضعیفوں کی حمایت، مصیبت زدوں سے ہم دردی، مظلوموں کی مدد، محتاجوں کی اعانت، عدل وانصاف کا قیام، ایسے ہی دوسرے اخلاقی فضائل، ان پر خود عمل کرنااوردوسروں کوترغیب دینے کانام "امر بالمعروف" ہے۔اس کے برعکس جھوٹ، فریب دھوکہ، خیانت، بدکاری، فتنہ وفساد، بے انصافی، اپنی

۵۶– مودودی، **تفہیم القرآن**، ۱: ۱۱۹– ۱۲۰۔

۵۷– القرآن، ۳:۱۱۰۔

۵۸– القرآن، ۳: ۱۰۴۔

حدود سے تجاوز کرنا، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، باطل کی حمایت کرنا، کم زوروں اور ضعیفوں کو ستانا اور اس طرح کے دیگر فطرتِ انسانی کے خلاف امور منکر کہلاتے ہیں۔ ان سے خود اجتناب کرنا اور دوسروں کو باز رکھنا "نہی عن المنکر" ہے۔ قرآن کریم کے اس عظیم الشان اصول میں پہلے خود نیک بننا اور بدی سے خود کو بچانا مقدم ہے۔ اس ضمن میں سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:" جس طرح اپنا پیٹ بھرنے سے دوسرے کا پیٹ بھرنا افضل ہے اسی طرح فضیلت کے اعتبار سے نیکی کو پھیلانے اور بدی سے روکنے کا درجہ بھی خود نیک بننے اور بدی کو ترک کرنے سے زیادہ افضل ہے ۔۔۔اور ایک شریف آدمی کا شیوہ ہے، مگر شرافت کا کمال اور بزرگی کا اعلیٰ درجہ اس وقت تک کسی انسان کو نصیب نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک و کاربنانے اور بدکاری سے روکنے کی کوشش نہ کرے۔"[۵۹] انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اسے جو چیز ناپسند ہوتی اس سے نہ صرف نفرت کرتا ہے بلکہ اسے دیکھنا سننا بھی گوارہ نہیں کرتا اور اگر نفرت مزید بڑھ جائے تو اسے مٹانے کے درپے ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر وہ مخلص بندہ جس چیز کو پسند کرتا ہے اسے نہ صرف خود اختیار کرتا ہے بلکہ اس بات کی خواہش کرتا ہے کہ اس کے بھائی بند بھی اس کو اختیار کر لیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایک چیز اگر اچھی ہے تو وہ صرف میرے لیے ہی اچھی نہیں ہر انسان کے لیے اچھی ہے، تو وہ چاہتا ہے کہ میں اس کو تمام بنی نوع انسان تک پہنچاؤں۔ اسی طرح اگر کوئی چیز بری ہے تو وہ صرف میرے لیے ہی بری نہیں بلکہ اس کی برائی سب کے لیے یکساں ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ تمام لوگوں کو اس سے بچانا میرا فرض ہے۔ اپنی بھلائی پر قناعت کرکے دوسروں کو برائی سے نہ بچانے کی کوشش کرنا بہت بڑی خود غرضی ہے۔ علماے معاشرت کہتے ہیں کہ انسان ایک متمدن ہستی ہے، معاشرے سے الگ ہو کر زندگی گزارنا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ جیسے اس کی اچھائی، برائی معاشرے پر اثرانداز ہوتی ہے ویسے ہی معاشرتی بھلائیاں، برائیاں اس کی زندگی پر اثرانداز ہوں گی۔ اگر کسی علاقے میں گندگی و غلاظت پھیل جانے کی وجہ سے وبائی امراض پھوٹ پڑتے ہیں تو عام لوگوں کی طرح اس معاشرے کا صاف ستھرا، حفظان صحت کے مطابق زندگی گزارنے والا فرد بھی اس کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اسی طرح کسی شہر کے عام باسیوں کا اخلاق بگڑا ہوا ہو اور وہاں کی اکثریت خبیث لوگوں پر مشتمل ہو تو وہاں جو تباہی و عذاب آئے گا وہ صرف بدکار اور خبیث لوگوں تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ وہاں جو مٹھی بھر نیکوکار لوگ مقیم ہوں گے وہ بھی اس کی گرفت میں آجائیں گے۔ اس بات کو آں حضور ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:"إنّ الله لايعذّبُ العامة بعمل الخاصّة حتى

۵۹۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، **الجہاد فی الاسلام** (لاہور: ادارہ ترجمان القران، ۱۹۹۶ء)، ۹۳۔

يروا المنكر بين ظهرانيهم وهم قادرون على أن ينكروه فلا ينكروه فإذا فعلوه ذالک عذّب الله الخاصة والعامة." [٦٠] (اللہ تعالیٰ عام لوگوں پر خاص لوگوں کی برائی کے باعث اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ان میں وہ برائی پیدا نہ ہو جائے کہ وہ اپنے سامنے بُرے اعمال ہوتے دیکھیں اور انھیں روکنے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی نہ روکیں۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے گی، تو اللہ عام وخاص سب پر عذاب نازل کر دیتا ہے۔)

لہٰذا اس صورت حال سے بچنے کے لیے نہی عن المنکر لازم ہے۔

اسلام میں نہی عن المنکر کی اہمیت اور اس کا طریق کار

اسلام اپنی اولین حیثیت میں ایک دعوت ہے نیکی اور تقوی کی جانب، وہ انسان کو انسانیت کی سطح سے اٹھا کر انسانیت کاملہ کے مقام پر لے جا کر سوسائٹی کا ایک معزز شہری بنانا چاہتا ہے، اس کا تعلق امر بالمعروف سے ہے۔ آدمی کو حیوانیت کے درجے سے نکال کر انسانیت کے مرتبے پر لانا اور اسے معاشرے کا نقصان دہ فرد بننے سے روکنا نہی عن المنکر سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے غیر مسلم دنیا کو معروف کی تعلیم و تلقین کے لیے نہایت عمدہ واحسن، باعمل طریقے سے وعظ و تبلیغ کا طریقہ بتایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ [٦١] (تم اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور ان سے ایسے طریقے سے بحث و گفت گو کرو جو بہترین ہو) (یعنی سختی و بدکلامی اس میں نہ ہو) قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق نہی عن المنکر، امر بالمعروف سے افضل ہے اور ترتیب کے لحاظ سے بھی نہی عن المنکر پہلے ہے اور امر بالمعروف بعد میں ہے۔ جس طرح ایک کسان کا اصل مقصد اناج اُگانا ہے، لیکن اس کے لیے بیج ڈالنے سے پہلے گھاس پھوس نکال کر ہل چلا کر زمین کو نرم کرنا ضروری ہے، اسی طرح اسلام کا اصل مقصد تو انسان کو انسان بنانا ہے، مگر معرف کا بیج ڈالنے سے پہلے اس کی فطرت کو منکر سے پاک کر کے ہم وار کر دینا ضروری ہے، اسلام ہر شخص کو معروف کی طرف دعوت دیتا ہے اور انسان کو اسلام کی خوبیاں دکھا کر اسے اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ لیکن منکر وہ پردہ ہے جو آدمی کی آنکھ کو معروف کا پرتو قبول کرنے کے قابل نہیں رہنے دیتا۔ اس لیے منکر کے پردے کو چاک کرنا اور اس کے زنگ کو ہر ممکن طریقے سے کھرچ دینا سب سے پہلی اور ضروری

٦٠- ابوعبداللہ احمد بن حنبل، **مسند الإمام أحمد بن حنبل** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء)، رقم: ۱۷۷۲۰۔

٦١- القرآن، ١٦: ١٢٥۔

تدبیر ہے۔اس کے بعد اگر کوئی معروف کو قبول کرے تو اس کے لیے فضائل اخلاق کا ایک حصہ اختیاری نہیں رہتا بلکہ لازمی ہو جاتا ہے۔۔۔لیکن اگر یہ زنگ چھوٹ جانے کے بعد اور پردہ اٹھ جانے کے بعد بھی کوئی آنکھ معرف کا جمال نہ دیکھے اور کوئی قلب اس کے اثرات قبول نہ کرے تو اسلام اسے صرف منکر سے روکنے کی اکتفا کرتا ہے اور آگے کا معاملہ اس کے ضمیر پر چھوڑ دیتا ہے۔[۶۲]

قرآن کریم میں دس مقامات ایسے ہیں جن میں باہمی لزوم کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تذکرہ موجود ہے[۶۳] اور "ان دونوں میں اہم تر نہی عن المنکر کا بیان ہے۔"[۶۴] چناں چہ قرآن کریم میں متعدد اضافی مقامات ایسے ہیں جہاں صرف نہی عن المنکر کا بیان ہے۔

جیسے علماے یہود پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾[۶۵] (کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علما گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟ البتہ بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔)

اسی سورہ میں آگے چل کر اسی کی ہم مضمون مزید آیات ہیں: ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾[۶۶] (بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی، ان پر داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان پر لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حدود الٰہی سے تجاوز کرتے تھے (اور ان کا اصل جرم یہ تھا کہ) وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے ان برائیوں سے جو وہ کرتے تھے۔ بہت برا طرز عمل تھا جس پر وہ کاربند تھے۔)

حضرت داؤدؑ کی زبان سے جو یہودیوں پر لعنتیں ہوئی ہیں وہ انھوں نے عہدنامہ قدیم (Old Testament) کی کتاب زبور (Psalm book) کے صفحات سے کھرچ ڈالی ہیں، البتہ علماے یہود جو نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دیتے تھے ان پر سیدنا مسیحؑ کی تنقید انجیل میں ان الفاظ میں موجود ہے: "اے یہودی

۶۲- مودودی، **الجہاد فی الاسلام**، ۱۰۱۔

۶۳- القرآن، ۳: ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴؛ ۱۶: ۹۰؛ ۷: ۱۵۷؛ ۹: ۱۱۱، ۱۱۲؛ ۲۲: ۴۱۔

۶۴- اسرار احمد، **امر بالمعروف و نہی عن المنکر** (لاہور: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القران ۱۹۹۰ء)، ۱۔

۶۵- القرآن، ۵: ۶۳۔

۶۶- القرآن ۵: ۷۸- ۷۹۔

ربّیوں!تم سانپ کے سنپولیوں کی مانند ہو، تمھارا حال یہ ہے کہ تم نے اپنے اوپر تقوٰی کالبادہ اوڑھ رکھا ہے اوراندر سے تمھارا کردارانتہائی گھناؤنا ہے۔۔۔ تمھارا حال ان قبروں کی مانند ہے جنھیں اوپر سے سفیدی کی گئی ہے۔تم مچھر چھانتے ہواور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو۔"[۶۷]

قرآن کریم کی تشریح وتفسیر حدیث نبوی ہے لہذا نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت کے ضمن میں آں حضور ﷺ کافرمان ہے:"فقال أَبُو سَعید: أَمَّا هٰذاَ فَقد ْ قضٰی ماعَلیهِ سَمِعْتُ رسول الله صلّی اللهّ وَسَلّم یَقُولُ: مَنْ رَّأٰی منِکُم مُنْکَراً فلیُغَیِّره بِیدِهِ ، فَاِنْ لَّمْ یَستَطِع فَبِلِسانِه، فَاِنْ لَّمْ یَستَطِعْ فَبِقَلبِهِ، ذٰلِکَ اَضْعفُ الْاِیمَا ن."[۶۸] ("ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جو کوئی تم میں سے کسی برائی (منکر) کو دیکھے تواس کواپنے ہاتھ سے بدلے (روکے)! اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے (اس برائی سے) اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو پھر اپنے دل میں اس کوبرا سمجھے، یہ ایمان کاکم زور ترین درجہ ہے۔)

درج بالا حدیث میں لفظ ہاتھ مجازاً قوت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس سے مراد دراصل ایسے حالات پیدا کردیے جائیں کہ کوئی بدکار گناہ اور شرارت کاکام کر ہی نہ سکے۔اسی طرح برائی کو ہاتھ سے بدل دینے سے مراد یہ ہے کہ اپنی طاقت وقوت کو منکر کومٹانے اور معروف سے بدل دینے کے لیے استعمال کرو۔اگر یہ صلاحیت نہیں ہے توزبان سے منکر سے روکنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔درج بالااول الذکر حدیث کوبنیادبناکر ریمنڈ ابراھیم لکھتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے عروج وزوال (ہار،جیت) کے احکام میں جو تضاد ہے وہ جہاد کے اس حکم کی وجہ سے ہے۔[۶۹]

اسلامی تاریخ کے عروج وزوال (ہار،جیت) میں احکام الٰہی میں بالکل کوئی تضاد نہیں، اورنہ ہی درج بالاحدیث میں جہادکے اس حکم کے حوالے سے کوئی تضاد ہے ،بلکہ حدیث مبارکہ میں نہی عن المنکر کے جن دودرجوں کابیان ہے ان میں سے پہلادرجہ نہی المنکر بالید (فلیغیرہ بیدہ) کا ہے۔یعنی کوئی برائی نظر آئے

۶۷– **کتاب مقدس**، متی: ۲۶،۲۷، ۲۸، مرقس: ۱۲، ۴۰، لوقا: ۴۲، ۴۴، ۴۴، ۵۲ (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی، س ن)۔

۶۸– ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری، **الجامع الصحیح**،كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر...الخ(بیروت: داراحیاء التراث العربی،۲۰۰۰ء)، ۱: ۴۹،رقم: ۷۸۔

69– Ibrahim, "Islamic Jihad".

توزور دست وضرب کاری سے اس کا قلع قمع کیا جائے لیکن یہ اس صورت میں ہی ممکن ہے جب اس برائی سے نمٹنے کے لیے مؤثر قوت موجود ہو، بہ صورت دیگر بندۂ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ جہاد باللسان کا فریضہ سر انجام دے (اور نہی عن المنکر بالید کے حصول کے لیے کوشاں رہے)، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو اور ڈر ہو کہ زبان کھینچ دی جائے گی تو دل سے بُرا سمجھے، یہ حالت ایمان کے کم زور ترین ہونے کی علامت ہے۔ اسلام اپنی اولین حیثیت میں نیکی اور تقوٰی کی دعوت ہے اور دوسری حیثیت میں وہ تمام دنیا کے لیے اللہ کا ایک قانون ہے۔ جب کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس میں دونوں حیثیتیں جمع ہو جاتی ہیں، مگر اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں دعوت الگ رہتی ہے اور قانون الگ۔ دعوت کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کا جو منصب عطا کیا ہے وہ خالق کا مطیع بن کر اس حیثیت کا اہل بن جائے، قانون کا منشا یہ ہے کہ اگر وہ منصب خلافت کی خدمات سر انجام نہیں دے سکتا تو فساد و خونریزی نہ کرے، اگر وہ دنیا میں نیکی اور بھلائی کے کاموں سے خلق خدا کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم اپنی برائیوں اور شرارتوں سے خدا کی اس دھرتی کا امن و سکون برباد نہ کرے۔" پہلی چیز باطن کی روشنی اور طبیعت کی صلاحیت پر منحصر ہے جو ظاہر ہے مارے کوٹے سے پیدا نہیں ہوتی، لیکن دوسری چیز حدود کی تعیین اور نگہ داشت سے تعلق رکھتی ہے جس کا پاس ولحاظ کرنے پر اس کی سرکش طبیعت کو صرف وعظ و تلقین سے آمادہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض حالات میں سے مجبور کرنے کے لیے طاقت کا استعمال بھی ضروری ہو جاتا ہے۔"[۷۰]

قرآن کریم میں نہی عن المنکر کے خلاف جنگ کا حکم

منکر کی وہ قسم جس کے خاتمے کے لیے طاقت کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے اس کی نوعیت کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن مجید میں فتنہ وفساد سے تعبیر کیا ہے اور اس کے خاتمے کے لیے جنگ کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾[۷۱] (اور تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (نظام زندگی) سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔)

اے مسلمانو! اگر تم اس طرح نہیں کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد ہو گا اور اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ[۷۲] (اور فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔) درج بالا دونوں آیتوں اور اس کے علاوہ قرآن مجید کی بہت

۷۰۔ مودودی، **الجہاد فی الاسلام**، ۱۰۲۔

۷۱۔ القرآن، ۲: ۱۹۳۔

۷۲۔ القرآن، ۲: ۱۹۱۔

ساری آیات میں اسی منکر کو فتنہ وفساد قرار دیا گیا ہے۔"اور حقیقت یہ ہے کہ تمام منکرات میں یہ فتنہ وفساد ایک ایسی چیز ہے جس کا استیصال تلوار کے بغیر نہیں ہو سکتا۔"[۷۳]

ریمنڈ ابراہیم آں حضور ﷺ کی حدیث سے جو نتائج اخذ کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے مقصد بعثت سے لاعلم ہے یا اس کی فہم وبصیرت ہی تعصب پر مبنی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد قرآن مجید میں تین مقامات پر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ﴾[۷۴] (وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول اللہ ﷺ کو الھدیٰ کے ساتھ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اس کو پورے کے پورے نظام زندگی (دین) پر۔)

درج بالا آیات واحادیث کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ آں حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد غلبہ دین حق ہے لہٰذا احدیث رسول ﷺ کے مطابق جو بھی صورت حال ہو اس کے لیے ویسا ہی طریق کار اختیار کرنا ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں نہی عن المنکر کے جن دو درجوں کا بیان ہے ان میں سے پہلا درجہ نہی المنکر بالید (فلیغیرہ بیدہ) کا ہے۔ یعنی کوئی برائی نظر آئے تو زورِ دست وضرب کاری سے اس کا قلع قمع کیا جائے لیکن یہ اس صورت میں ہی ممکن ہے جب اس برائی سے نمٹنے کے لیے مؤثر قوت موجود ہو، بہ صورت دیگر بندۂ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ اس کے حصول کے لیے کوشاں رہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس مکہ میں "نہی عن المنکر بالید" کے لیے مئوثر قوت موجود نہیں تھی تو آپ ﷺ تیرہ سال تک مکہ میں نہی عن المنکر کا فریضہ جہاد باللسان کے ذریعے سرانجام دیتے رہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد جیسے ہی آپ ﷺ کو برائی اور کفر وشرک پر مبنی نظام سے نمٹنے کے لیے "نہی عن المنکر بالید" کی مؤثر صلاحیت حاصل ہو گئی تو آپ ﷺ نے جہاد باللسان کے ساتھ جہاد بالید یعنی قتال فی سبیل اللہ کا بھی آغاز کر دیا۔ قرآن وحدیث کے ان واضح دلائل اور بے شمار تاریخی حقائق کے باوجود ایک مستشرق کو نہی عن المنکر کے بارے میں قرآن وحدیث سے کوئی بنیاد نہیں ملتی جس سے جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت کو ثابت کیا جا سکے جیسا کہ قرآن حکیم اور سیرت وسنت نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ نہی عن المنکر کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز، رسول اللہ ؐکی نبوت کے آغاز کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی میں قرآن کریم کے احکامات کے مطابق اللہ کے دین کو غالب کرنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے جہاد فی سبیل اللہ

۷۳۔ مودودی، مرجع سابق، ۱۰۵۔

۷۴۔ القرآن، ۹: ۳۳؛ ۴۸: ۲۸؛ ۶۱: ۹۔

کرتے ہوئے بسر کی۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ آں حضور ﷺ کے جہادی غزوات کے ضمن میں رقم طراز ہیں: آں حضور ﷺ نے قلب و جسم، دعوت و بیان اور سیف و سنان ہر پہلو سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے اور آپ ﷺ کا دل، زبان اور ہاتھ ہر لمحہ و ہر لحظہ جہاد میں مصروف رہے۔ مکہ میں اللہ تعالیٰ نے بعثت و رسالت سے نوازا تو حکم دیا **وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا**.[۷۵] (آپ ﷺ (کفار کے ساتھ) اس (قرآن) کے ذریعے بڑا جہاد کریں۔)

آپ ﷺ نے مکہ میں کفار کے ساتھ قرآن مجید کی تبلیغ اور واضح دلائل و براھین کے ساتھ جہاد کیا۔ اسی طرح آپؐ کو حکم ملا کہ آپؐ منافقین کے خلاف جہاد کریں۔[۷۶] اگرچہ منافقین کے خلاف کیا جانے والا جہاد کفار کے ساتھ کیے جانے والے جہاد سے کہیں مشکل ہے تاہم آں حضور ﷺ نے منافقین کے ساتھ بڑی خوش اسلوبی سے جہاد کیا۔ جہاں حق کے خلاف زبردست مزاحمت اور تکلیف و ایذا رسانی ہو وہاں حق کی حمایت میں کام کرنا افضل جہاد ہے۔ اس افضل ترین جہاد میں ہمارے آخری نبی آں حضور ﷺ سر فہرست ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے مراتب و درجات کی وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کامل ترین شخص وہ ہے جو جہاد کے ان تمام مراتب و درجات پر عمل پیرا ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں کامل و اکمل ہیں اس لیے کہ آپؐ جہاد کے تمام مراتب پر عمل پیرا رہے اور آپؐ نے اللہ کے راستے میں اس طرح جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ آپؐ اپنی بعثت و رسالت سے لے کر وفات تک جہاد ہی کرتے رہے۔[۷۷] آں حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی غلبہ دین حق ہے۔ اس مقصد کے حصول لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر لازم و ملزوم ہے۔ قرآن کریم اور سنت نبوی کی ان تصریحات کے ضمن میں اسلامی شریعت کا اہم فقہی اصول ہے کہ نہی عن المنکر بہ نسبت امر بالمعروف کے زیادہ زوردار اور اہم ہے۔ اسی نہی عن المنکر کے حکم کی وجہ سے آپؐ نے ساری زندگی جہاد کیا، فتح مکہ کے بعد بھی جہاد جاری رہا۔

۷۵- القرآن، ۲۵: ۵۲۔

۷۶- القرآن، ۹: ۷۳ ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾

۷۷- ابن قیم، **زاد المعاد في هدى خير العباد** (قاہرہ: مكتبة ومطبعة محمد على صبيح و أولاده بميدان الأزهر، س ن)، ۳: ۵ - ۱۱ سے ملخص ہے؛ مسلم بن الحجاج القشیری، **الجامع الصحيح**، كتاب الإمارة، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لايضر هم من خالفهم، رقم: ۱۹۲۲۔

آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے خلفاے راشدین (ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علیؓ) نے اپنے دور خلافت میں جہاد جاری رکھا۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے بالکل ابتدائی دور میں انتہائی کٹھن حالات میں منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے مدعین نبوت کے خلاف جہاد کیا۔ آں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔اسی فرمان کی روشنی میں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت کو لے کر صحابہ کرامؓ کی عظیم جماعت اٹھی اور انتہائی قلیل عرصے میں تقریباً دنیا کے نصف سے زیادہ متمدن حصے پر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کرتے ہوئے ابر کرم کی مانند چھا گئی، روم و ایران کی عظیم سلطنتیں اسلام کے عدل و قسط پر مبنی نظام کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفاے راشدین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بعد کی دور میں صحابہ کرامؓ نے ایشائی فتوحات کے بعد افریقہ و یورپ کے ممالک میں غلبہ دین کے لیے جہاد جاری رکھا۔ عباسی و عثمانی ادوار میں رومیوں کے خلاف نہی عن المنکر کے لیے جہاد جاری رہا۔ حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لن یبرح هذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة." [۷۸] (یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور اس دین کے لیے مسلمانوں کی کوئی ایک جماعت قیامت تک قتال کرتی رہے گی۔)

مستشرقین جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی ذمہ داری کا سہرا امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے سر ڈال رہے ہیں؟ حالاں کہ ان کی ولادت ۱۰/ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں ہوئی۔ یہ زمانہ تاتار گردی کا زمانہ تھا، سارا عالم اسلام ان کی ہیبت سے لرزہ براندام تھا۔ عراق اور جزیرہ کی سرزمیں خاص طور پر تاتاریوں کی جولان گاہ تھی، اس وقت ابن تیمیہ سات برس کے تھے کہ ان کا وطن حران تاتاری حملوں کی زد میں آ گیا۔[۷۹] یہ وہ دور تھا جب مسلم امہ میں روح جہاد کا فقدان پروان چڑھ چکا تھا۔ جہاد سے انحطاط کی پہلی لہر ۴۹۲ھ میں آئی جب صلیبی لشکر نے بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح میں قبضہ جما کر خون کے دریا بہا دیے۔[۸۰] عین ممکن تھا کہ صلیبی عیسائیوں کی پہلی کام یاب یلغار آگے بڑھتی، مگر اللہ تعالیٰ کو امت مسلمہ کے عروج کو باقی رکھنا تھا اس لیے عالم اسلام کے عظیم مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی زبردست جہادی یلغاروں نے صلیبی لشکروں کو پسپائی پر مجبور کر دیا، پھر نوے ۹۰/ سال بعد ۵۸۳ھ میں بیت المقدس کو آزد کروالیا اور کسی عیسائی (غیر مقاتل) کو کوئی گزند تک نہ پہنچائی۔

۷۸- نفس مرجع۔

۷۹- ابو الحسن علی ندوی، **تاریخ دعوت و عزیمت** (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۶۹ء)، ۲: ۳۵۔

80- Thomas F. Madden, "Rivers of Blood: An Analysis of One Aspect of the Crusader Conquest of Jerwalem in 1099", *Revista Chilena de E studies Medievales* 1 (2012): 36.

مسلمان اپنے تاب ناک ماضی میں پہلی صدی ھجری کے اختتام تک مسلمان تقریباً تمام متمدن دنیا فتح کر چکے تھے اوراگلی پانچ صدیوں میں جہاں علمی، سائنسی اور معاشی برتری ان کے پاس تھی وہاں عیش و عشرت، مادہ پرستی، حصول اقتدار کی کشمکش، قبائلی رقابتیں، باہمی دشمنیاں، خانہ جنگیوں نے اس قدر کم زور کر دیا کہ انحطاط کی پہلی لہر ۶۵۵ھ بمطابق ۱۲۵۸ء میں اٹھی جس میں ہلاکو خان نے خلافت عباسیہ کا خاتمہ کرتے ہوئے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ تاتاریوں کا یہ سیلاب تباہی وفساد پھیلاتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا، ان حالات میں عالمِ اسلام پر ان کی ایسی دہشت پھیل چکی تھی اورایسی بزدلی چھاگئی تھی کہ جہاں تاتاریوں کی آمد کی اطلاع ملتی وہاں لوگ شہر خالی کر کے بھاگ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلم امہ کی برتری اور عروج کو مزید باقی رکھنا منظور تھا، لہٰذا ان کے مقابلے میں عالم اسلام کے ایک عظیم مجدد شیخ الاسلام احمد تقی الدین ابن تیمیہ کو کھڑا کر دیا، جس نے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونک دی۔ ۷۰۲ھ میں تاتاریوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑی گئی، یہ پہلا موقع تھا کہ تاتاریوں کے قدم اکھڑ گئے۔[۸۱]

جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ ساتھ ابن تیمیہ داخلی اصلاح سے بھی غافل نہ تھے، انھوں نے ملحدین اور مفسدین کے خلاف جہاد کرتے ہوے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ علّامہ ابن تیمیہ نے نہ صرف کفّار کے خلاف جہاد کیا بلکہ زندگی بھر ملحد بدعتی فرقوں کے خلاف بھی جہاد کرتے رہے، ''میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح'' کے مصداق، علّامہ ابن تیمیہ مستشرقین کی تنقید کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ قرآن وحدیث کے ان دلائل اور تاریخی شواہد سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ نہی عن المنکر کے لیے جہاد کرنا نہ صرف قرآن وحدیث ہی سے ثابت ہے بلکہ جس جہاد کا آغاز آں حضور ﷺ سے ہوا، علّامہ ابن تیمیہؒ کا جہاد فی سبیل اللہ اس تسلسل کی ایک کڑی ہے۔

اہم نکاتِ بحث

مستشرقین کا کہنا ہے کہ ناسخ و منسوخ کا یہ خود ساختہ اصول جہاد سے متعلق قرآنی آیات کے تضاد کو ختم کرنے کے لیے مسلمان مفسرین فقہا نے ایجاد کیا ہے۔ اور یہ آیات جہاد کے تضاد کو ختم کرنے کا ایک عالمانہ حربہ ہے اور ان کا یہ بھی اعتراض ہے کہ جہاد سے متعلق قرآنی آیات میں ناسخ و منسوخ کے حوالے سے مسلم فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ دین اسلام کی اہم اصطلاح ''نہی عن المنکر'' کے بارے میں ایک مستشرق کا کہنا ہے کہ

۸۱- عمادالدین اسماعیل ابن کثیر، **البداية والنهاية** (بیروت: مكتبة المعارف، ۱۹۷۷ء)، ۱۴: ۱۶۔

قرآن میں اس کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کوئی بنیاد ہی موجود نہیں، اس تصور کی ایجاد واشاعت کی ذمہ داری ابن تیمیہ کے سر ہے۔ بعد ازاں اس کے پیروؤں نے اسے عقیدے کے طور پر اختیار کر لیا۔

نتیجۂ بحث

یہ مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ناسخ و منسوخ کا اصول اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی اور نفاذِ شریعت کی سہولت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے علم میں اشکالات کا بڑا سبب متاخرین اور متقدمین کی اصطلاحوں کا باہمی اختلاف ہے۔ لیکن جن لوگوں کو متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا فرق معلوم ہو، ان کو کوئی اشکال نہیں پیش آئے گا اور وہ فوراً سمجھ لیں گے کہ اس جگہ نسخ سے مراد تخصیص ہے، ناسخ سے مراد مخصص ہے اور منسوخ سے مراد ہے مخصوص عنہ البعض۔ چوں کہ عفو و درگزر، رواداری، نرمی اور فراخ دلی سے متعلق آیات کے عموم سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شاید اسلام میں جنگ و قتال کی ہر شکل ہر حالت میں ممنوع ہے۔ لہٰذا قتال فی سبیل اللہ کی آیات نے اس عموم میں تخصیص کر کے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا اور وضاحت کر دی کہ اسلام کو غالب کرنے اور اسلامی حکومت قائم کرنے، عدل و انصاف کے نظام کو نافذ کرنے اور ظلم و فساد کے نظام کو مٹانے کے لیے شرعی آداب و شرائط کے مطابق جہاد و قتال ایک دینی فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا اور امن و صلح اور درگزر والی آیات تو یہ منسوخ نہیں ہیں بلکہ دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تفہیم کے ساتھ مخصوص ہیں اور سلف نے اسی تخصیص کو نسخ کا نام دیا ہے، ورنہ متاخرین کی اصطلاح کے مطابق یہ آیات محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں۔ مستشرقین کے درج بالا اعتراضات لاعلمی اور تعصب کے باعث ہیں۔ اگر انھیں قرآن حکیم کے ناسخ و منسوخ کے اصولوں کی سمجھ ہوتی تو یہ اعتراضات نہ کرتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت اور امت مسلمہ کی غرض تاسیس کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے قرار دیا ہے۔ چوں کہ اسلامی شریعت میں نہی بہ نسبت امر کے زیادہ زوردار اور مئوثر ہے، لہٰذا اسی حکم کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ، آپؐ کے صحابہؓ، بنو امیہ، بنو عباس کے ادوار میں جہاد جاری رہا جو کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے ۶۰۰ سو سال پہلے کا زمانہ تھا۔ قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ سے ثابت ہو گیا کہ جہاد فی سبیل اللہ مسلم امّہ کا فرض منصبی ہے۔ ان شاءاللہ جہاد کسی نہ کسی صورت میں قیامت تک جاری رہے گا۔

List of Sources in Roman Script

- Al-Qur'an
- Ahmad, Israr. *Amr bi al-Ma'ruf wa Nahy 'an al-Munkar.* Lahore: Maktabah Khuddam al-Qur'an, 1990.
- Ahmad, Israr. *Bayan al-Qur'an.* Lahore: Maktabah Khuddam al-Qur'an, 2014.
- Al-Hajjaj, Muslim b. *Al-Jami' al-Sahih*. Beirut: Dar Ihya' al-Turath al-'Arabi, 2000.
- Al-Jawziyyah, Ibn Qayyim. *I'lam al-Muwaqqi'in 'an Rabb al-'Alamin.* Beirut: Maktabat al-Ma'arif, 1977.
- Al-Jawziyyah, Ibn Qayyim. *Zad al-Ma'ad fi Hady Khayr al-'Ibad.* Cairo: Maktabah wa Matba'ah Muhammad 'Ali Sabih, n.d.
- Al-Shatibi, Ibrahim b. Musa b. Muhammad. *Al-Muwafaqat.* Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1975.
- Al-Suyuti, Jalal al-Din. *Al-Itqan fi 'Ulum al-Qur'an*. Cairo: Al-Hay'ah al-Misriyyah al-'Ammah li al-Kitab, 1974.
- Bonner, Michael. *Jihad in Islamic History: Doctrines and Practice.* Princeton and Oxford: Princeton University Press, 2006.
- Bonney, Richard. *Jihad: From Quran to bin Laden.* New York: Palgrave Macmillan, 2004.
- Bukay, David. "Peace or Jihad? Abrogation in Islam." *Middle East Quarterly,* 14, no.4 (Fall 2007), https://www.meforum.org/1754/peace-or-jihad-abrogation-in-Islam
- Cook, David. *Understanding Jihad.* Berkeley: University of California Press, 2005.
- Hanbal, Ahmad b. *Al-Musnad.* Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 2001.
- Ibn Kathir, Isma'il b. 'Umar. *Al-Bidayah wa al-Nihayah.* Beirut: Maktabat al-Ma'arif, 1977.
- Ibn Manzur, Muhammad b. Mukarram. *Lisan al-'Arab.* Beirut: Dar Ihya' al-Turath al-'Arabi, n. d.
- Ibrahim, Raymond. "Islamic Jihad and the Doctrine of

Abrogation." *Front Page Mag*, accessed March 5, 2014. http://www.frontpagemag.com/fpm/220358/islamic-jihad-and-doctrine-abrogation-raymond-ibrahim

- *Kitab-i Muqaddas.* Lahore: Pakistan Bible Society, n.d.
- Madden, Thomas F. "Rivers of Blood: An Analysis of One Aspect of the Crusader Conquest of Jerwalem in 1099." *Revista Chilena de E studies Medievales* 1 (2012).
- Marranci, Gabriele. *Jihad Beyond Islam.* Oxford, New York: Berg, 2006.
- Maududi, Sayyid Abu al-A'la. *Al-Jihad fi al-Islam.* Lahore: Idarah Tarjuman al-Qur'an, 1996.
- Maududi, Sayyid Abu al-A'la. *Tafhim al-Qur'an.* Lahore: Idarah Tarjuman al-Qur'an, 1990.
- McGirr, Lisa. *The War on Alcohol: Prohibition and the Rise of American State.* New York: W.W. Norton Company, 2015.
- Nadvi, Abu al-Hasan 'Ali. *Tarikh-i Dawat-o 'Azimat.* Karachi: Majlis-i Nashariyyat-i Islam, 1969.
- Rahman, Gauhar. *'Ulum al-Qur'an.* Mardan: Maktabaht Tafhim al-Qur'an, 2002.
- Salih, Subhi. *Mabahith fi 'Ulum al-Qur'an.* Beirut: Al-Matba'ah al-'Arabiyyah, 1986.
- Wali Allah, Shah. *Al-Fawz al-Kabir fi Usul al-Tafsir.* Delhi: Matba' Mujtaba'i, 1310 AH.
- Zarakshi, Muhammad b. 'Abd Allah. *Al-Burhan fi 'Ulum al-Qur'an.* ed. Mustafa 'Abd al-Qadir. Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 2011.